سلسلہ اصلاحی رسائل ۹

ہمارے معاشرے میں پھیلی ہوئی

بدشگونیاں
بدفالیاں
اور توہمات

ماہِ صفر اور غلط تصوّرات

نجومی سے فال نکلوانا

قرآن کریم سے فال نکلوانا

حاضرات کا عمل کرانا

ستاروں کے اثرات کی حقیقت

ہمزاد کی حقیقت

نیک فال لینا سنت ہے

روحوں کی آمد و رفت

غول بیابانی

شیخ احمد کا وصیت نامہ

ایک کی بیماری دوسرے کو لگنا

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی

میمن اسلامک پبلشرز

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہ صفر اور غلط تصوّرات

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفٰی

اما بعد!

صَفَر کے معنی

"صَفَر" عربی زبان کا لفظ ہے جس میں ص اور ف دونوں پر زبر ہے۔ اس کے معنی وہی ہیں جو عام طور پر مشہور و معروف ہیں یعنی اسلامی مہینوں میں دوسرا مہینہ۔ (صحاح)

صَفر کے متعلق اہل عرب کے توہّمات

اسلام سے پہلے دورِ جاہلیت میں "صَفر" کے متعلق اہلِ عرب کے مختلف اور عجیب و غریب توہّمات تھے، حضرات محدثین کرام رحمہم اللہ نے ان سب کو تفصیل سے ذکر فرمایا ہے، ذیل میں ان کا مختصر انتخاب پیش خدمت ہے:

"صفر" کے متعلق اہلِ عرب کا یہ گمان تھا کہ اس سے مراد وہ سانپ ہے جو انسان کے پیٹ میں ہوتا ہے اور بھوک کی حالت میں انسان کو ڈستا اور کاٹتا ہے چنانچہ بھوک کی حالت میں جو تکلیف ہوتی ہے وہ اسی کے ڈسنے سے ہوتی ہے۔

بعض اہلِ عرب کا یہ نظریہ تھا کہ "صفر" سے مراد پیٹ کا وہ جانور ہے جو بھوک کی حالت میں بھڑکتا ہے اور جوش مارتا ہے، اور جس کے پیٹ میں ہوتا ہے بسا اوقات اس کو جان سے بھی مار دیتا ہے اور نیز اہلِ عرب اس کو خارش کے مرض والے سے بھی زیادہ متعدی مرض سمجھتے تھے۔

بعض کے نزدیک "صفر" ان کیڑوں کو کہتے ہیں جو جگر اور پسلیوں کے سرے میں پیدا ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے انسان کا رنگ بالکل پیلا ہوجاتا ہے (جس کو طِب کی اصطلاح میں "یرقان" کہا جاتا ہے) اور بسا اوقات یہ مرض انسانی موت کا بھی سبب بن جاتا ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ "صفر" ایک مشہور مہینہ ہے جو محرم اور ربیع الاول کے درمیان آتا ہے، لوگوں کا اس کے متعلق یہ گمان ہے کہ اس ماہ میں بکثرت مصیبتیں اور آفتیں نازل ہوتی ہیں۔ نیز اہل عرب صفر کا مہینہ آنے سے بدفالی بھی لیا کرتے تھے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایامِ جاہلیت میں لوگ ماہ صفر کو ایک سال حلال اور ایک سال حرام ٹھہرایا کرتے تھے، مطلب یہ ہے کہ کبھی اہل عرب ماہ محرم کو جو ان کے نزدیک محترم مہینوں

میں سے ہے اور اس میں جنگ وجدال حرام سمجھتے تھے' بڑھا کر صفر کو بھی اس میں شامل کر لیتے اور جنگ وجدال کو صفر میں بھی ناجائز قرار دے دیتے' اور کبھی صفر کو محرم سے علیحدہ قرار دیکر محترم مہینوں سے اس کو خارج کردیتے اور اس میں جنگ وجدال مباح سمجھتے۔

(مرقات وما ثبت بالسنہ بتصرف)

"صفر" کے متعلق دور حاضر کے لوگوں کے خیالات

آج کل بھی ماہ صفر کے متعلق عام لوگوں کے ذہن میں مختلف خیالات جمے ہوئے ہیں' جن میں سے چند حسب ذیل ہیں :

○ بعض لوگ ماہ صفر میں شادی بیاہ اور دیگر پُرمسرت تقریبات منعقد کرنے اور اہم اُمور کا افتتاح اور ابتداء کرنے سے پرہیز کرتے ہیں' اور کہا کرتے ہیں کہ صَفَر میں کی ہوئی شادی صِفر ہوگی (یعنی ناکام ہوگی) اور اس کی وجہ عموماً ذہنوں میں یہ ہوتی ہے کہ صفر کا مہینہ نامبارک اور منحوس مہینہ ہے۔ چنانچہ صفر کا مہینہ گزرنے کا انتظار کرتے ہیں اور پھر ربیع الاول کے مہینہ سے اپنی تقریبات شروع کردیتے ہیں ــــــــ اس وہم پرستی کا دین سے کوئی واسطہ نہیں' یہ محض باطل ہے۔

○ بعض لوگ ماہ صفر کی یکم سے تیرہ تاریخ تک کے ایام کو بطور خاص منحوس جانتے ہیں اور ۱۳ر تاریخ کو کچھ گھونگھنیاں پکا کر تقسیم کرتے ہیں تاکہ اس نحوست سے حفاظت ہو جائے ــــــــ یہ بھی بالکل بے اصل

بات ہے۔

من گھڑت اور ایجاد کردہ باتوں کی کوئی بنیاد تو ہوتی نہیں، لیکن جب جاہلوں سے یا ان کے گمراہ کن راہنماؤں سے ان کے باطل نظریات کی دلیل مانگی جاتی ہے تو وہ من گھڑت روایتیں اور غلط سلط دلیلیں پیش کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ صفر کے منحوس ہونے کے متعلق بھی ان سے ایک روایت منقول ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں :

مَنْ بَشَّرَنِیْ بِخُرُوْجِ صَفَرَ بَشَّرْتُہٗ بِالْجَنَّۃِ

"(حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) جو شخص مجھے ماہ صفر کے ختم ہونے کی خوشخبری دے گا میں اس کو جنّت کی بشارت دوں گا"۔

(موضوعات ملا علی قاری صفحہ ۶۹)

اس روایت سے یہ لوگ ماہ صفر کے منحوس اور نامراد ہونے پر استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صفر میں نحوست تھی، جبھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی اور صفر کے بسلامت گزرنے پر جنت کی بشارت دی ______ تو واضح ہو کہ اوّل تو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو بڑے جلیل القدر محدّث ہیں ______ اپنی کتاب "الموضوعات الکبیر" میں (جس میں موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے موضوع، بے اصل اور من گھڑت حدیثیں جمع کی ہیں) اس کو بالکل بے اصل قرار دیدیا ہے۔ لہٰذا موضوع اور من گھڑت روایت سے استدلال کرنا سراسر

جہالت اور گمراہی کی بات ہے۔ پھر اگر اس روایت کے الفاظ پر غور کریں تو ان الفاظ میں کہیں بھی ماہ صفر کے منحوس ہونے پر کوئی اشارہ نہیں ہے۔ لہٰذا ان الفاظ سے ماہ صفر کو منحوس سمجھنا محض اختراع اور اپنا خیال ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

تھوڑی دیر کے لئے اس روایت کے من گھڑت ہونے سے قطع نظر کرکے اگر اس کے الفاظ پر غور کریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ماہ ربیع الاول میں ہونے والی تھی اور آپ موت کے بعد اللہ جل شانہ کی ملاقات کے مشتاق تھے، جس کی وجہ سے آپ کو ماہ صفر کے گزرنے اور ربیع الاول کے شروع ہونے کی خبر کا انتظار تھا اور ایسی خبر لانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بشارت کو مرتب فرمایا۔ چنانچہ تصوف کی بعض کتابوں میں اسی مقصد سے اس روایت کو ذکر کیا گیا ہے، لیکن ماہ صفر کی نحوست اس سے قطعاً ثابت نہیں ہوتی۔

○ بعض لوگ بالخصوص مزدور ماہ صفر کی آخری بدھ کو عید مناتے ہیں۔ اس دن کاریگر اور مزدور کام نہیں کرتے۔ مالک سے مٹھائی کا مطالبہ کرتے ہیں اور ہر مزدور کو مٹھائی اور عیدی دی جاتی ہے ـــــــــ یہ بھی محض بے اصل بات ہے اور واجب الترک ہے۔

○ بعض لوگ اس دن چھٹی کرنے کو اجر و ثواب کا موجب سمجھتے ہیں۔ اور مشہور ہے کہ اس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غسلِ صحت فرمایا تھا۔ چنانچہ ایک شعر بھی اس سلسلے میں بنایا ہوا ہے ؎

آخری چہار شنبہ آیا ہے
غسلِ صحت نبیؐ نے پایا ہے

اس کی بھی کچھ اصل نہیں، بلکہ اس دن تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وفات کی ابتداء ہوئی تھی اور آپ صلیؐ اللہ علیہ وسلم کی مرضِ وفات پر خوشی کیسی؟

○ بعض لوگ اس دن گھروں میں اگر مٹی کے برتن ہوں تو ان کو توڑ دیتے ہیں۔ اور اسی دن بعض لوگ چاندی کے چھلّے اور تعویزات بنوا کر ماہ صفر کی نحوست، مصیبتوں اور بیماریوں سے بچنے کی غرض سے پہنا کرتے ہیں ـــــ یہ خالص وہم پرستی ہے جس کو ترک کرنا واجب ہے۔

زمانہ جاہلیت میں ماہ صفر کے متعلق بکثرت مصیبتیں اور بلائیں نازل ہونے کا جو اعتقاد اوپر نقل کیا گیا ہے، اسی کی بنیاد پر مذہبی لوگوں نے بھی اس ماہ کو مصیبتوں اور آفتوں سے بھرپور قرار دیا ہے، حتیٰ کے لاکھوں کے حساب سے آفات وبلیّات کے نازل ہونے کی تعداد بھی نقل کر دی ہے۔ اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جلیل القدر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی اسی ماہ میں مبتلائے مصیبت ہونا قرار دیا ہے۔ اور پھر خود ہی انہوں نے نماز کے خاص خاص طریقے بتلائے جن پر عمل کرنے سے عمل کرنے والا تمام مصائب و آلام سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ یہ سب من گھڑت اور اپنی طرف سے بنائی ہوئی باتیں ہیں جن کی قرآن و سنّت سے کوئی سند نہیں ہے۔ کیونکہ جب بنیادی طور پر ماہ صفر میں مصیبتوں اور آفتوں کا نازل ہونا

ہی باطل ہے اور جاہلیت اولیٰ کا ایجاد کردہ نظریہ ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بالکل بے اصل اور بے بنیاد قرار دیا ہے (جیسا کہ عنقریب آرہا ہے) تو اس پر جو بنیاد بھی رکھی جائے گی وہ بھی باطل اور غلط ہی ہوگی۔ ذیل میں ان باتوں کا ایک اقتباس دیا جاتا ہے تاکہ بخوبی سمجھ کر اجتناب کرنا آسان ہو۔

> دوسرا مہینہ سال میں "صفر" کا ہوتا ہے۔ یہ مہینہ نزول بلا کا ہے، تمام سال میں دس لاکھ اسی ہزار بلائیں نازل ہوتی ہیں۔ ان میں سے نو لاکھ بیس ہزار بلائیں خاص ماہ صفر میں نزول کرتی ہیں، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی ماہ صفر کے گزرنے کی خوشخبری سنادے میں اس کو بہشت میں داخل ہونے کی بشارت دوں۔ حضرت آدم صفی اللہ سے لغزش ہوئی تو اسی مہینہ میں ہوئی۔ حضرت خلیل علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے تو اول تاریخ صفر کی تھی۔ حضرت ایوب علیہ السلام جو مبتلائے بلا ہوئے تو اسی مہینے میں ہوئے۔ حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت جرجیس علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام اور حضرت محمد سید الانبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام سب مبتلائے بلا اسی مہینہ میں ہوئے۔ حضرت ہابیل بھی اسی مہینہ میں شہید ہوئے۔ اسی لئے شب اول

روزِ اوّل ماہ صفر میں ہر مسلمان کو چاہئے کہ چار رکعت اس طرح پڑھے کہ پہلی رکعت میں بعد الحمد پندرہ بار سورۃ الکفرون، دوسری میں اسی قدر قل ھواللہ، تیسری میں اسی قدر سورۃ الفلق اور چوتھی میں اسی قدر سورۃ الناس پڑھے، بعد سلام کے ستر مرتبہ

سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہر بلا اور ہر آفت سے محفوظ رکھے گا اور ثوابِ عظیم عطا فرمائے گا۔

دوسری نماز اسی مہینے میں یہ بھی ہے کہ پہلی تاریخ کو غسل کرے اور چاشت کے وقت دو رکعت نفل پڑھے اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد گیارہ گیارہ بار قل ھواللہ پڑھے، بعد سلام کے ستر بار درود شریف۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

پڑھے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے :

اَللّٰھُمَّ صَرِّفْ عَنِّیْ سُوْءَ ھٰذَا الْیَوْمِ وَاَعْصِمْنِیْ مِنْ سُوْءِہٖ وَنَجِّنِیْ عَمَّا اَصَابَ فِیْہِ مِنْ نُحُوْسَاتِہٖ

ضرورت نہ ہوتی، علم معاشیات کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ انسان کی ضروریات اور خواہشات زیادہ ہیں، اور اس کے مقابلے میں وسائل کم ہیں تو اب اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ کس طرح ان دونوں کے درمیان مطابقت پیدا کی جائے؟ جس کے ذریعہ کفایت کے ساتھ اپنی ضرویات اور خواہشات پوری ہو سکیں۔ اور یہی درحقیقت علم معاشیات کا موضوع ہے اور اس نقطہ نظر سے کسی معیشت کو جن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ چار بنیادی مسائل ہیں۔

"ترجیحات کا تعین"

(Determination of Priorities)

پہلا مسئلہ، جس کو معیشت کی اصطلاح میں "ترجیحات کا تعین" کہا جاتا ہے، یعنی ایک انسان کے پاس وسائل تو تھوڑے سے ہیں، اور ضروریات اور خواہشات بہت زیادہ ہیں، اب کون سی خواہش کو مقدم کرے، اور کون سی خواہش کو موخر کرے۔ یہ معاشیات کا سب سے پہلا مسئلہ ہے مثلاً میرے پاس پچاس روپے ہیں، اب ان پچاس روپے سے میں خوراک کے لئے بازار سے آٹا بھی خرید سکتا ہوں، اور اس پچاس روپے سے کپڑا بھی خرید سکتا ہوں۔ اور کسی ہوٹل میں بیٹھ کر ریفریشمنٹ کھانے میں بھی خرچ کر سکتا ہوں۔ اور ان پچاس روپے سے کوئی فلم بھی دیکھ سکتا ہوں، اب یہ چار پانچ ضرورتیں میرے سامنے

ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ان چار[۱۴] پانچ اختیارات میں سے کس کو ترجیح دوں؟ اور وہ پچاس روپے کس طرح استعمال کروں؟ اس مسئلہ کا نام "ترجیحات کا تعین" ہے۔

یہ مسئلہ جس طرح ایک انسان کو پیش آتا ہے، اسی طرح پورے ملک، پوری ریاست اور پوری معیشت کو بھی پیش آتا ہے، مثلاً پاکستان کے کچھ قدرتی وسائل ہیں۔ کچھ انسانی وسائل ہیں، کچھ معدنی وسائل ہیں۔ کچھ نقدی وسائل ہیں، یہ سارے وسائل محدود ہیں، اور ہماری ضروریات اور خواہشات لامتناہی ہیں، اب جو وسائل ہمارے پاس موجود ہیں، ان کے ذریعہ ہم کھیت میں گندم بھی اگا سکتے ہیں، چاول بھی اگا سکتے ہیں۔ اور تمباکو بھی اگا سکتے ہیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سارے وسائل عیاشی پر خرچ کر دیں۔ یہ مختلف اختیارات (Options) ہمارے سامنے موجود ہیں تو کسی معیشت کا سب سے پہلا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ ترجیحات کا تعین کس طرح کریں؟ اور کس کام کو فوقیت دی جائے؟۔

۲۔ "وسائل کی تخصیص"

دوسرا مسئلہ، جسے معاشیات کی اصطلاح میں "وسائل کی تخصیص" (Allocation of Resources) کہا جاتا ہے، یعنی جو وسائل ہمارے پاس موجود ہیں، ان کو کس کام میں کس مقدار میں لگایا جائے؟ مثلاً ہمارے پاس زمینیں بھی ہیں، اور ہمارے پاس کارخانے

بھی ہیں، ہمارے پاس انسانی وسائل بھی ہیں، اب سوال یہ ہے کہ کتنی زمین پر گندم اگائیں؟ اور کتنی زمین پر روئی اگائیں؟ کتنی زمین پر چاول اگائیں، اس کو معیشت کی اصطلاح میں "وسائل کی تخصیص" کہا جاتا ہے، کہ کونسے وسیلے کو کس کام کے لئے اور کس مقدار میں مخصوص کیا جائے؟

۳۔ آمدنی کی تقسیم

تیسرا مسئلہ ہے کہ جب پیداوار (Production) شروع ہو تو اس پیداوار کو کس طرح معاشرے اور سوسائٹی میں تقسیم کیا جائے؟ اس کو معیشت کی اصطلاح میں "تقسیم آمدنی" (Distribution of Income) کہا جاتا ہے۔

۴۔ ترقی

چوتھا مسئلہ جس کو معاشیات کی اصطلاح "ترقی" (Development) کہا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ ہماری جو معاشی سرگرمیاں ہیں، ان کو کس طرح ترقی دی جائے؟ تاکہ جو پیداوار حاصل ہو رہی ہے۔ وہ معیار کے اعتبار سے اور زیادہ اچھی ہو جائے، اور مقدار کے لحاظ سے زیادہ ہو جائے؟ اور اس میں ترقی ہو، اور نئی مصنوعات وجود میں آئیں، تاکہ مزید اسباب معیشت لوگوں کے سامنے آئیں۔

یہ چار اسباب معیشت ہوتے ہیں۔ جن کا ہر معیشت کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان چار مسائل کے تعین کے بعد ایک نظر اس پر ڈالنی ہوگی کہ موجودہ رائج الوقت معیشت کے نظاموں نے ان چار مسائل کو کس طرح حل کیا ہے؟ پھر یہ بات سمجھ میں آئیگی کہ اسلام ان مسائل کو کس طرح حل کرتا ہے کیونکہ عربی کا یہ مصرعہ آپ نے سنا ہوگا کہ:

وبضدھا تتبین الاشیاء

جب تک کسی چیز کی ضد سامنے نہ آئے، اس وقت تک کسی چیز کی حقیقی محاسن سامنے نہیں آتے، اگر رات کا اندھیرا نہ ہو تو دن کی روشنی کی قدر نہ ہوتی، اگر حبس اور گرمی نہ ہو تو بارش کا رحمت ہونا معلوم نہ ہوتا۔ اس لئے مختصراً پہلے یہ جائزہ لینا ہوگا کہ رائج الوقت معاشی نظاموں نے ان چار مسائل کو کس طرح حل کیا ہے؟

سرمایہ دارانہ نظام میں ان کا حل

سب سے پہلے سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) کو لیا جاتا ہے، سرمایہ دارانہ نظام نے ان چار مسائل کو حل کرنے کے لئے جو فلسفہ پیش کیا، وہ یہ ہے کہ ان چار مسائل کو حل کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے، ایک ہی جادو کی چھڑی ہے، وہ یہ ہے کہ ہر انسان کو زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کے لئے آزاد چھوڑ دو، اور پھر جب ہر شخص اپنا

رہنا سہنا اور اوڑھنا بچھونا سب علیحدہ کر دیا جاتا ہے' کھانے پینے کے برتن جدا کر دئے جاتے ہیں' اور ان سے مِلنا جُلنا بھی ترک کر دیا جاتا ہے' بچوں تک کو ان کے قریب آنے نہیں دیا جاتا اور حد سے زیادہ چھوت چھات کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عقیدہ اور نظریہ کو باطل قرار دیا اور فرمایا لَاعُدْوٰی یعنی بذاتِ خود ایک شخص کی بیماری بڑھ کر کسی دوسرے کو نہیں لگتی بلکہ بیمار کرنا' نہ کرنا قادرِ مطلق کے اختیار میں ہے' وہ جس کو چاہے بیمار کرے اور جس کو چاہے بیماری سے محفوظ رکھے۔

ایک دوسری حدیث میں اس کی مزید تشریح اس طرح ہے کہ ایک دیہاتی نے آکر عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خارش اول اونٹ کے ہونٹ میں شروع ہوتی ہے یا پھر اس کی دم سے آغاز کرتی ہے اور پھر یہ خارش دوسرے تمام اونٹوں میں پھیل جاتی ہے"۔ اس پر رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "(اچھا یہ بتاؤ) پہلے اونٹ کو کیسے خارش ہوئی اور کس کے ذریعہ لگی؟"

وہ دیہاتی یہ سن کر لاجواب ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا:

"یاد رکھو! متعدی مرض' چھوت' شگون اور بدفالی کوئی چیز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو پیدا کر کے اس کی زندگی' روزی اور مصیبت مقرر کر دی ہے"۔ (ما ثبت بالسنہ)

یعنی موت و حیات' مرض و صحت اور مصیبت و راحت سب تقدیر

میں لکھ دیا گیا ہے، جو کچھ بھی ہوتا ہے سب تقدیر سے ہوتا ہے۔ اگر ایک بیماری دس آدمیوں کو ہوتی ہے تو وہ بھی تقدیر سے اور اذنِ الٰہی سے ہوتی ہے، بیماری میں بذاتِ خود یہ طاقت ہرگز ہرگز نہیں ہے کہ وہ بغیر اذنِ الٰہی کے کسی دوسرے کے لگ جائے۔ اور تجربہ اور مشاہدہ بھی بتلاتا ہے کہ وبائی امراض میں سب ہی مبتلا نہیں ہوتے، بہت سے لوگ ان بیماریوں سے محفوظ اور صحت مند بھی رہتے ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بیماری خود سے کسی کو نہیں لگتی۔ جب اور جس وقت اور جس کو حق تعالیٰ شانہ چاہتے ہیں بیمار کرتے ہیں اور جس کو نہیں چاہتے اس کو بیمار نہیں کرتے۔

مذکورہ حدیث میں ایک کی بیماری دوسرے کو لگنے کے شبہ کا بے نظیر جواب دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ نے دیہاتی سے پوچھا : اچھا بتاؤ اگر ایک کی بیماری دوسرے کو لگتی ہے تو سب سے پہلے جس کو وہ بیماری ہوئی تھی اس کو کس کی بیماری لگی؟ ظاہر ہے کہ کسی دوسرے کی ہرگز نہیں لگی تو ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ بیماری اس کے اندر ہی پیدا ہوئی ہے اور کہیں سے اڑ کر نہیں آئی۔ جب پہلی مرتبہ اس کو تسلیم کرلیا گیا تو ہر ہر مریض کے بارے میں بھی یہی کہا جائے گا کہ اس میں بھی وہ بیماری مستقل طور پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہوئی ہے اور وہ بیماری از خود بغیر اذنِ الٰہی کے کسی دوسرے کی نہیں لگی۔

البتہ ماہ صفر کے سلسلہ میں جو احادیث اوپر آئی ہیں ان میں پہلی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جزامی آدمی سے جو شیر کی طرح بچنے کا حکم دیا ہے اور اس کے علاوہ دیگر روایات میں بھی جہاں طاعون

پھیلا ہوا ہو وہاں جانے سے منع فرمایا ہے' تو ان کے متعلق سمجھنا چاہئے کہ آپ کا یہ حکم اس بناء پر نہیں ہے کہ جزام اور طاعون بذاتِ خود دوسرے کے لگ جاتے ہیں۔ بلکہ کمزور ایمان والوں کے ایمان واعتقاد کی حفاظت کی غرض سے آپ نے بچنے کا حکم فرمایا کہ مبادا کسی ضعیف الایمان شخص کو جزامی کے پاس بیٹھنے سے جزام ہو جائے (یا طاعون زدہ علاقہ میں جانے سے طاعون ہو جائے تو اس کا اعتقاد بگڑ جائے گا اور وہ سمجھنے لگے گا کہ جزامی کے پاس بیٹھنے سے یہ جزام ہوا ہے یا طاعون زدہ علاقہ میں جانے سے طاعون ہوا ہے' نہ میں جزامی کے پاس بیٹھتا اور نہ طاعون زدہ علاقہ میں جاتا اور نہ یہ مرض ہوتا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جزام یا طاعون اس کے لئے پہلے ہی سے مقدر تھا۔ جزامی کے پاس بیٹھنے یا طاعون والے علاقہ میں جانے سے نہیں ہوا بلکہ اگر وہ وہاں بالکل نہ جاتا تب بھی ضرور ہوتا اور خدا کا حکم پورا ہو کر رہتا۔ بہرحال بچنے کا یہ حکم عقیدہ کی حفاظت کے لئے دیا گیا ہے۔

اسی طرح جس شہر' بستی اور علاقہ میں طاعون یا کوئی وبائی بیماری پھیلی ہوئی ہو تو اپنے آپ کو اس بیماری سے بچانے کی غرض سے اس آفت زدہ علاقہ کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جانے سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور صبر کے ساتھ وہیں مقیم رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اس میں بھی اسی اعتقاد کی حفاظت مقصود ہے کہ نکلنے والے کو یہ اعتقاد نہ ہو جائے کہ چونکہ وہ اس علاقہ سے باہر چلا گیا تھا اس لئے وہ طاعون اور وباء سے محفوظ رہا ورنہ مبتلا ہو جاتا۔ حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ

اصل بات یہ ہے کہ اس کی تقدیر میں[۲] طاعون مقدر ہی نہ تھا اور حق تعالیٰ کو منظور ہی نہ تھا اس لئے اس کو طاعون نہیں ہوا اور اگر طاعون ہونا مقدر ہوتا تو اس علاقہ سے نکل جانے پر بھی طاعون ہو جاتا اور اگر مقدر نہیں تھا تو اس علاقہ میں رہنے کے باوجود طاعون نہ ہوتا۔

البتہ حفظ ماتقدّم کے طور پر وبائی بیماریوں سے بچاؤ کے لئے حفاظتی ٹیکے بچوں اور بڑوں کے لگوانا اور اعتدال کے اندر رہتے ہوئے دیگر جائز احتیاطی تدابیر اختیار کرنا شرعاً جائز ہے' اسلام اس سے منع نہیں کرتا اور ہرگز وہ اس کے خلاف نہیں ہے۔ لیکن ان میں بھی یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ حفاظتی ٹیکے اور احتیاطی تدابیر اپنے مؤثر ہونے میں حکمِ خداوندی کی محتاج ہیں۔ جب تک حکمِ ربی ہے حفاظتی ٹیکے وغیرہ مفید اور باعث حفاظت ہیں' اور جب حق تعالیٰ کو بیمار کرنا مطلوب ہوگا تو یہ تمام حفاظتی ٹیکے اور تمام احتیاطی تدابیر خاک ہو جائیں گی جس کا تجربہ اور مشاہدہ آنکھوں کے سامنے ہے۔

آج کل حفاظتی ٹیکے لگوانا بھی بے حد ضروری سمجھا جانے لگا ہے اور ٹیکے لگوانے پر ایسا مکمل یقین ہوتا ہے کہ اب وہ بیماری جس کی حفاظت کا ٹیکہ لگوایا ہے نہیں ہو سکتی اور نہ لگوانے پر اگر بیماری ہو جائے تو اس کی ساری ذمہ داری ٹیکہ نہ لگوانے کو قرار دیا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ کی ذات پر کچھ بھی توکّل اور بھروسہ معلوم نہیں ہوتا۔ یہ بھی حد سے تجاوز ہے اور قابلِ اصلاح بات ہے کیونکہ حفاظتی ٹیکہ محض ایک تدبیر ہے جس کو اختیار کرنے میں بذاتِ خود کوئی قباحت نہیں' مگر اس میں حد سے بڑھ کر حق

تعالیٰ سے نظر ہٹا لینا کسی طرح جائز نہیں' اعتقاد اور بھروسہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہونا ضروری ہے اور اس بات کا یقین رکھنا واجب ہے کہ بیماری اور تندرستی سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہے۔

بدشگونی اور بدفالی

زمانہ جاہلیت میں عربوں کے اندر شگون اور فال لینے کا بھی بہت رواج تھا۔ ان کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی کام کرنے کا ارادہ کرتے تو کسی ہرن کو اس کی جگہ سے دوڑاتے اور بھڑکاتے یا کسی پرندے کو اڑا دیتے۔ اگر پرندہ یا ہرن دائیں جانب جاتا تو اس کو مبارک سمجھتے اور نیک فال لیتے اور وہ کام کر لیتے' نیز سفر پر جانا ہوتا تو چلے جاتے۔ اور اگر پرندہ بائیں طرف کو اڑتا یا ہرن بائیں جانب چلا جاتا تو اس کو نامبارک اور منحوس سمجھتے اور پھر وہ کام نہ کرتے اور جہاں جانا ہوتا وہاں بھی نہ جاتے۔

(اشعۃ اللمعات)

رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے لَاطِیَرَةَ فرما کر اس کی مکمل تردید فرمادی اور واضح فرمایا کہ بدفالی اور بدشگونی محض بے حقیقت اور غلط بات ہے۔ ان کا کسی کام کے بُرے ہونے یا کسی ضرر ونقصان کے دور کرنے یا کسی قسم کا فائدہ حاصل ہونے میں بالکل دخل نہیں ہے بلکہ اس قسم کا اعتقاد رکھنا جائز بھی نہیں ہے۔ کامیابی اور ناکامی' نفع ونقصان سب حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہے' وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے' کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ پرندے یا ہرن کے دائیں طرف جانے

میں کوئی خیر اور بائیں جانب جانے میں کسی طرح کی کوئی بُرائی بالکل نہیں ہے۔

ہمارے معاشرے کی بدشگونیاں

ہمارے معاشرے میں بھی بدشگونی اور بدفالی کی بہت سی صورتیں مروّج ہیں جو سب ہی غیر معتبر ہیں اور اس قابل ہیں کہ فوراً توبہ کر کے ہمیشہ کے لئے اس سے پرہیز کیا جائے۔

- اکثر لوگ خصوصاً عورتیں مرض چیچک اور کنٹھی میں علاج کرانے کو بُرا خیال کرتے ہیں اور بعض عوام اس مرض کو بھوت پریت کے اثر سے سمجھتے ہیں۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔
- بعض عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ اگر نئی دلہن اپنے گھر یا صندوق وغیرہ کو تالا لگا دے تو اس کے گھر وغیرہ کو تالا لگ جاتا ہے یعنی ویران ہو جاتا ہے۔ یہ خیال بھی بالکل غلط ہے۔
- بعض عوام یہ سمجھتے ہیں کہ جو کوئی "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" کا وظیفہ پڑھے، اس کا ناس ہو جاتا ہے۔ یہ خیال بھی غلط ہے، بلکہ اس کی برکت سے تو وہ مصائب سے نجات پاتا ہے۔

○ بعض لوگ خصوصاً عورتیں کہتی ہیں کہ دروازہ کی چوکھٹ پر بیٹھ کر کھانا کھانے سے آدمی مقروض ہو جاتا ہے۔ یہ خیال بھی غلط ہے۔

○ بعض عورتیں ایسی عورت کے پاس جانے اور بیٹھنے سے رُکتی ہیں جس کے بچے اکثر مرجاتے ہوں' اور یوں کہتی ہیں کہ "مرت بیائی" لگ جائے گی۔ یہ بہت بُری بات ہے' ایسا کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔

○ بعض لوگ خصوصاً عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ ہر آدمی پر اس کی عمر کا تیسرا اور آٹھواں' تیرہواں اور اٹھارواں' اکیسواں اور اڑتیسواں' تینتالیسواں اور اڑتالیسواں سال بھاری ہوتا ہے۔ یہ خیال بھی غلط اور بُرا عقیدہ ہے۔

○ اکثر عوام سمجھتے ہیں کہ کتّے کے رونے سے کوئی وباء یا بیماری پھیلتی ہے۔ یہ بھی محض بے اصل بات ہے۔

مشہور ہے کہ اگر کسی گھر میں لڑائی کروانی منظور ہو تو اس گھر میں سہ (قنفذ) کا کانٹا رکھ دو' جب تک وہ کانٹا اس گھر میں رہے گا' اہل خانہ لڑتے رہیں گے۔ سو یہ بھی محض غلط بات ہے۔

○ جہلا میں دستور ہے کہ جب کوئی سفر کو جاتا ہے تو

عورتیں کہتی ہیں کہ ابھی جھاڑو نہ دو کیونکہ فلاں ابھی ابھی سفر کو گیا ہے۔ سو یہ بھی لغویات ہے۔

○ مشہور ہے کہ جب اولے پڑیں تو موسل کو سیاہ کر کے باہر پھینک دیا جائے تو اولے بند ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی بے اصل ہے۔

○ مشہور ہے کہ خرمن میں ہاتھ دھو کر کھانا نہ کھانا چاہئے اور اس سے یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ خرمن ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ سو یہ بھی غلط ہے۔

○ مشہور ہے کہ عورت حالت حیض میں یا حمل میں فوت ہو جائے اس کو سَنگل ڈال کر دفن کیا جائے کیونکہ وہ ڈائن ہو جاتی ہے اور جو اسے ملے اسے کھا جاتی ہے۔ یہ شرک ہے۔

○ مشہور ہے کہ جہاں میت کو غسل دیا جائے وہاں تین دن چراغ جلایا جائے۔ سو یہ بھی محض بے اصل اور غلط ہے۔

○ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں جانور کے بولنے سے موت پھیلتی ہے۔ سو یہ بھی محض بے اصل اور غلط ہے۔

○ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ مرد کی بائیں آنکھ اور عورت

کی دائیں آنکھ پھڑکنے سے کوئی مصیبت یا رنج پیش آتا ہے اور اگر اس کے اُلٹ ہو کہ مرد کی دائیں اور عورت کی بائیں آنکھ پھڑکے تو اس سے کوئی خوشی پیش آتی ہے سو یہ بھی محض غلط خیال ہے۔

○ بعض لوگ صبح کے وقت کسی خاص مقام جیسے نانوتہ' کیرانہ یا کسی خاص جانور جیسے سانپ' سور وغیرہ کے نام لینے کو منحوس اور بُرا سمجھتے ہیں۔ یہ بھی بالکل لغو بات ہے۔

○ بعض لوگ کسی خاص دن یا کسی خاص وقت میں سفر کرنے کو اچھا یا بُرا سمجھتے ہیں۔ یہ کفار یا نجومیوں کا اعتقاد ہے' مسلمانوں کو اس اعتقاد سے بچنا واجب ہے۔

○ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ ہتھیلی میں خارش ہونے سے مال ملتا ہے اور تلوے میں خارش ہونے یا جوتے پر جوتا چڑھنے سے سفر درپیش ہوتا ہے یہ بھی سب لغو اور مہمل باتیں ہیں۔

○ بعض عورتیں مکان کی مُنڈیر پر کوّے کے بولنے سے کسی مہمان کی آمد کا شگون لیتی ہیں۔ یہ خیال بھی گناہ ہے۔

○ اکثر عوام سمجھتے ہیں کہ ڈوئی مارنے سے ہوکا ہو جاتا ہے یعنی جس کے ڈوئی ماری جائے وہ کھانا زیادہ کھانے لگتا ہے۔ یہ بھی بالکل بے اصل بات ہے۔

○ عوام میں رائج ہے کہ کسی کو دوسرے کے ہاتھ سے جھاڑو لگ جائے تو وہ معیوب سمجھتا ہے اور بُرا مان کر کہتا ہے کہ میں کنویں میں نمک ڈال دوں گا جس سے تیرے منہ پر چھائیاں پڑ جائیں گی۔ یہ بھی محض بے اصل بات ہے۔

○ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جھاڑو مارنے سے جس کے جھاڑو ماری جائے اس کا بدن سوکھ جاتا ہے۔ لہٰذا جھاڑو پر تھتکار دو تاکہ سوکھیہ کے مرض سے بچ جائے۔ سو یہ بات بھی محض بے اصل ہے۔

○ بعض لوگوں کے یہاں مروّج ہے کہ جب کوئی آدمی کہیں جارہا ہو اور اسے پیچھے سے بُلایا جائے تو وہ لڑائی لڑنے پر تیار ہو جاتا ہے کہ مجھے پیچھے سے تم نے کیوں بُلایا ہے' کیونکہ اب میرا کام نہیں ہو گا۔ سو اس بات کی بھی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔

○ بعض عورتیں چکّی کا ہاتھا چھوٹنے سے مہمان کے آنے کا شگون لیتی ہیں۔ سو یہ بھی مہمل بات ہے۔

○ عموماً عورتوں میں مشہور ہے کہ صحنک سے آٹا اڑنے سے مہمان آتا ہے۔ سو یہ بھی محض غلط خیال ہے۔

○ لوگوں میں مشہور ہے کہ شام کے وقت مرغا اذان دے تو اسے فوراً ذبح کردو کیونکہ یہ اچھا نہیں ہے۔ سو اس کی بھی کوئی اصل نہیں۔

○ لوگوں میں مشہور ہے کہ اگر مرغی اذان دے تو اسے فوراً ذبح کردو کیونکہ اس سے وبا پھیلتی ہے۔ سو یہ بھی غلط بات ہے اور غلط عقیدہ ہے۔

○ اگر مریض کے لئے دو آدمی حکیم کو بلانے جاویں تو اسے بُرا سمجھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اب مریض صحتیاب نہیں ہوگا۔ سو یہ بھی غلط بات ہے۔

○ جب کوئی نئی دلہن کنویں پر پانی لینے جاتی ہے تو اس کو تاکید کی جاتی ہے کہ پہلے کنویں پر چراغ جلائے پھر پانی لائے۔ سو یہ بات بھی غلط بلکہ شرک ہے۔

○ دستور یہ ہے کہ جب کوئی کہیں جارہا ہو اور کوئی چھینک دے تو جانے والا واپس آجاتا ہے اور کہتا ہے کہ اب کام نہیں ہوگا۔ سو یہ بھی غلط ہے۔

○ بعض لوگ رات کو جھاڑو دینے کو یا منہ سے چراغ گُل کرنے کو یا دوسرے کے کنگھا کرنے کو اگرچہ

باجازت ہو' بُرا سمجھتے ہیں۔ اس کی بھی کچھ اصل نہیں۔

○ مشہور ہے کہ مریض کے لئے جب حکیم کو بُلانے جانا ہو تو گھوڑے پر زین نہ لگاؤ۔ سو یہ بھی غلط ہے۔

(اغلاط العوام)

نجومی سے فال نکلوانا :

فال نکلوانے کا ایک آسان طریقہ وہ ہے جو ہمارے شہروں میں کثرت سے رائج ہے' خصوصاً بڑے شہروں میں اس کی بڑی شہرت ہے۔ جگہ جگہ نجومیوں' دست شناسوں اور عاملوں کے بڑے بڑے بورڈ آویزاں ہیں جن پر بڑی بڑی باتیں اور بلند بانگ دعوے درج ہوتے ہیں' ہر ناممکن کو ممکن بنانے کے دعوے ہوتے ہیں اور ہر شخص کو اپنی قسمت معلوم کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ اس طرح یہ ایک مستقل کاروبار بنا ہوا ہے۔

شہر کی بڑی بڑی شاہراہوں پر دست شناس اور نجومی دیوار سے ایک بہت بڑا پردہ لٹکائے بیٹھے ہوتے ہیں اور ان کے پاس پرندے خصوصاً تربیت یافتہ طوطے پنجروں پر بیٹھے ہوتے ہیں اور فرش پر بچھے ہوئے کپڑے پر درجنوں لفافے رکھے ہوتے ہیں' جن میں اچھے' بُرے' مختلف مضامین پر مشتمل خطوط ہوتے ہیں جو محض خود ساختہ ہوتے ہیں اور بلآخر وہی لوگوں کی قسمت قرار پاتے ہیں۔ اور قریب ہی چاک سلیٹ ہوتی ہے جس سے

علم جفر کی روشنی میں حساب کتاب کر کے غیب کی باتیں مثلاً مقدّمہ کی کامیابی یا ناکامی، امتحان میں پاس یا فیل، کاروبار کی ترقی یا ناکامی وغیرہ واضح کی جاتی ہیں، یا علم نجوم کی روشنی میں قسمت کے ستارے کا روشن یا گردش میں ہونا بتلا کر اچھی بُری قسمت بتلائی جاتی ہے، یا علم قیافہ کے ذریعے ہاتھ کی لکیریں اور اس کے خدوخال دیکھ کر مقدر کا اچھا یا بُرا ہونا اور اپنے مقاصد میں کامیاب یا ناکام ہونا واضح کیا جاتا ہے۔

ان میں سب سے سستی فال وہ ہوتی ہے جو طوطے یا کسی پرندہ کے ذریعہ لفافہ اٹھوا کر نکلوائی جاتی ہے۔

اکثر مصیبت زدہ، پریشان حال، بے روزگار، مقروض، بیمار اور دوسرے شہروں سے کمانے کے لئے آنے والے سادہ لوگ ان کے پاس پہنچتے ہیں اور اپنی فال نکلوا کر دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں۔ اچھی فال اور اچھی قسمت کھُلے تو کامیابی پر یقین کرتے ہیں اور بُری فال نکلے، یا ستارہ گردش میں معلوم ہو، یا دست شناس سے حالات اچھے نہ معلوم ہوں تو اپنی بدحالی کا اور زیادہ یقین ہو جاتا ہے۔

خوب یاد رکھئے : ان لوگوں کے پاس فال کھلوانے کے لئے جانا، فال کھلوانا اور اس پر یقین کرنا یہ سب کچھ حرام ہے اور سخت گناہ ہے اس سے صدقِ دل کے ساتھ توبہ کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اجتناب کرنا واجب ہے۔ احادیث میں اس پر سخت وعیدیں آئی ہیں جن میں سے چند احادیث ملاحظہ ہوں :

حدیث :-

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : جو شخص کاہن یا نجومی کے پاس آیا اور اس سے کوئی بات پوچھی (اور اس پر یقین کرلیا تو) اس کی چالیس راتوں کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں (رواہ مسلم)

حدیث :-

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : جو شخص کسی کاہن کے پاس آیا اور جو کچھ کاہن نے بتلایا اس کی تصدیق کی (سچ سمجھا) تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل ہوا ہے اس نے اس کا انکار کردیا۔ (رواہ ابوداؤد)

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ :

جو شخص کسی نجومی اور کاہن کے پاس (غیب وغیرہ کی باتیں دریافت کرنے آیا) پھر اس سے کوئی بات دریافت کی تو چالیس راتوں تک اس کی توبہ قبول ہونے سے رُکی رہتی ہے۔ اور اگر اس نے نجومی کی بات کی تصدیق بھی کردی (یعنی دل سے بھی اس کو سچ

سمجھا اور اس پر یقین کرلیا) تو اس نے کفر کیا۔

(رواہ الطبرانی) (مرقاہ)

قرآن کریم سے فال نکلوانا

جب کسی شخص کی چوری ہو جاتی ہے تو بعض عاملوں اور بعض مسجد کے اماموں کے ذریعے ایک خاص انداز اور خاص طریقہ سے قرآن کریم یا کسی اور کتاب مثلاً دیوان حافظ یا گلستان وغیرہ سے فال کھلوائی جاتی ہے اور اس کے سچ ہونے پر پورا عقیدہ ہوتا ہے اور فال میں جس شخص کا تعین ہوتا ہے آنکھیں بند کرکے اسی کو مجرم قرار دے کر مالِ مسروقہ اسی سے طلب کیا جاتا ہے جس میں بسا اوقات وہ شخص جس پر چوری کا الزام لگایا جاتا ہے قرآن کریم کی توہین کرکے کافر ہو جاتا ہے' چنانچہ ایک مرتبہ قرآن کریم سے فال نکالی گئی اس میں اسی شخص کا نام نکلا جس پر شبہ تھا۔ جب اس کو معلوم ہوا تو اس نے مسجد میں جاکر قرآن کریم کے چند اوراق پھاڑے اور نعوذ باللہ ان پر پیشاب کیا اور کہنے لگا کہ قرآن کریم بھی جھوٹا اور فال نکالنے والا بھی جھوٹا۔

اس طرح کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ یہ سب شریعت کے احکام کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہے' ایک طرف مجرم اپنا ایمان گنوا بیٹھا' دوسری طرف بدظنی اور بدگمانی یقینی ہو گئی جس نے آگے بڑھ کر الزام تک نوبت پہنچادی اور باہم لڑائی جھگڑا علیحدہ رہا' جسمانی' ذہنی اور مالی پریشانی جدا رہی۔

واضح رہے کہ اس طرح قرآن کریم یا کسی اور کتاب سے فال نکالنا یا نکلوانا اور اس پر یقین کرنا بالکل ناجائز ہے بلکہ قرآن کریم سے فال نکلوانا اور بھی سخت گناہ ہے۔ کیونکہ اس سے بسا اوقات قرآن مجید کی توہین ہوتی ہے یا اس کی طرف سے بدعقیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔

(کفایت المفتی بتصرف)

جنّات کی باتوں پر یقین کرنا

بعض لوگ ایسا بھی کرتے ہیں کہ اگر کسی مرد یا عورت یا حسین لڑکے پر جن سوار ہو اور وہ بولتا ہو تو اس سے غیب کی باتیں دریافت کرتے ہیں، مثلاً اگر چوری ہو گئی تو پوچھتے ہیں کہ یہ چوری کس شخص نے کی ہے، وہ کہاں ہے؟ اس کا نام کیا ہے اور چوری کا زیور، روپیہ کس کے پاس ہے؟ پھر جو کچھ وہ بتلا دے شرعی ثبوت کے بغیر اس پر مکمل یقین کیا جاتا ہے۔ یا اس سے دریافت کرتے ہیں کہ ہم پر کس نے جادو کیا ہے، وہ کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟ یا ہماری فلاں گمشدہ چیز کس کے پاس ہے؟ یا کل یا آئندہ کیا کچھ ہونے والا ہے؟ اور پھر جو کچھ وہ بتلائے اس پر یقین کر لیا جاتا ہے۔ یہ سب حرام اور ناجائز ہے، کیونکہ شرعی اصول کے مطابق تحقیق کے بغیر محض جن کی باتوں پر یقین کر کے کسی کو چور سمجھنا اور اس پر چوری کا الزام لگانا حرام ہے اور گناہِ کبیرہ ہے۔

حاضرات کا عمل کرانا

بعض جگہ جب کسی کی یہاں چوری ہو جاتی ہے یا کچھ اور نقصان ہو جاتا ہے تو وہ حاضرات کراتے ہیں۔ جس کی صورت کچھ اس طرح ہوتی ہے کہ کسی نابالغ بچّہ کے ناخن پر سیاہی لگا کر بچہ کو اس سیاہ ناخن پر نظر جمانے کو کہا جاتا ہے اور عامل اس پر اپنی توجہ ڈالتا ہے جس سے اس بچہ کو سیاہ ناخن میں اس کے خیالات متشکّل ہو کر نظر آنے لگتے ہیں۔ پھر عامل جو کچھ اس سے دریافت کرتا ہے وہ بچہ بتلاتا ہے۔ اس طرح چوری یا لاپتہ چیز کو دریافت کیا جاتا ہے اور اس دریافت پر پورا یقین ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ شرعاً اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے' اس سے جو باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ غیر یقینی ہوتی ہیں' دلیل شرعی کے بغیر ان پر عمل کرنا جائز نہیں ہے' چنانچہ اگر اس کے ذریعے کسی شخص کے بارے میں یہ پتہ چل جائے کہ وہ چور ہے تو اس کے متعلق چوری کا یقین کرلینا جائز نہیں بلکہ شرعی اصول کے مطابق تحقیق کرنا ضروری ہے۔ جب تک شرعی ثبوت نہ ہو اس کے چور ہونے کا یقین کرنا اور اس کو تکلیف دینا جائز نہیں۔

بیمار کی صحت کے لئے جانور ذبح کرنا

ہمارے معاشرے میں ایک صورت یہ بھی رائج ہے کہ جب کوئی شخص سخت بیمار ہو جاتا ہے تو اس کی طرف سے بکرا ذبح کر کے اس کا گوشت

فقیروں میں تقسیم کردیا جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ جان کا بدلہ جان دینے سے مریض کی جان بچ جائے گی اور صحت ہو جائے گی یا آئندہ حفاظت ہو جائے گی' اور جانور کے علاوہ کسی چیز کے صدقے کو کافی نہیں سمجھا جاتا۔ سو اس کی بھی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ لہٰذا اس موقع پر جانور ذبح کرنے کی تخصیص اور پابندی بدعت ہے جس سے بچنا واجب ہے۔

(ملخص از امداد الفتاویٰ)

احادیث میں آفات و بلیّات دور ہونے اور ان سے حفاظت کے لئے بغیر کسی خاص چیز کے مطلق صدقہ و خیرات کی ترغیب آئی ہے اس کے مطابق کسی بھی شکل میں صدقہ کیا جاسکتا ہے۔ (احسن الفتاویٰ بتصرف)

شیخ احمد کا وصیّت نامہ

چونکہ مسلمانوں نے اپنے آپ کو دین سے دور کرلیا ہے اور اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ اور توکّل نہیں ہے' بلکہ مزید اپنی جہالت اور نادانی سے بدفالی' بدشگونی' نحوست' چھوت چھات اور طرح طرح کی خرابیوں میں مبتلا ہیں جس کی بناء پر دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کی اس دینی کمزوری سے پورا فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

چنانچہ دشمنانِ اسلام نے ایک فرضی وصیّت نامہ ڈیڑھ سو سال پہلے شیخ احمد نامی کسی شخص کے نام سے شائع کیا جو اب تک مسلمانوں میں

چل رہا ہے۔ اس میں جو کچھ لکھا ہوا ہوتا ہے، مسلمان اس سے ڈر کر یا نفع ہونے کی موہوم اُمید پر اب تک اس کو چلا رہے ہیں جس کی حقیقت اور شرعی حیثیت درج ذیل ہے :

یہ وصیّت نامہ فرضی ہے۔ شیخ احمد نامی کوئی صاحب روضۂ اقدس کے خادم نہیں ہیں۔ اس میں جو عبادت کی طرف متوجہ ہونے اور آخرت کی فکر میں لگنے کو لکھا ہے یہ اچھی باتیں ہیں اور ضروری ہیں مگر ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے قرآن و حدیث کے خطابات کافی ہیں۔ فرضی افسانہ شائع کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی تراشیدہ بات کو منسوب کرنا سخت گناہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص میری جانب سے جھوٹی بات کہہ دے اس کو چاہئے کہ دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بنالے"۔

(مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۲)

یہ وصیّت نامہ نیا نہیں ہے، سو ڈیڑھ سو سال سے شائع ہوتا آرہا ہے۔ پہلی مرتبہ جب یہ چھپا تھا اس وقت علماء نے تحقیق کی تھی تو معلوم ہوا تھا کہ شیخ احمد روضۂ اقدس کا کوئی خادم نہیں ہے اور نہ اس نام کے کبھی کوئی صاحب تھے، کیونکہ پہلے اس میں یہ بھی

شائع ہوا تھا کہ شیخ احمد روضۂ اقدس کا خادم ہے اور ان کو بشارت ہوئی ہے ______ الخ بلکہ علماء کی تحقیق یہ بھی ہے کہ یہ وصیّت نامہ عیسائیوں کا جاری کردہ ہے۔ ابتداءً جب انگریزوں کا تسلط ہندوستان پر ہوا تھا تو انھیں مسلمانوں کی جانب سے جہاد کرنے کا خوف دامنگیر ہوا۔ تو انھوں نے مسلمانوں کو نماز روزے پر لگانے اور جہاد سے غافل کرنے کے لئے یہ اسکیم بنائی کہ ایک فرضی وصیّت نامہ بنا کر شائع کردیا۔ اور چونکہ اس وصیّت نامہ میں یہ بھی ہے کہ جو اس کو پڑھے گا اور چھپوا کر تقسیم کرے گا تو اس کو اتنا اتنا نفع ہو گا اور جو اس کو پڑھ کر تقسیم نہیں کرے گا وہ غم دیکھے گا اور اس کو نقصان ہو گا۔ وغیرہ وغیرہ' اس لئے مسلمان اس کو آگے خود ہی شائع کرتے رہتے ہیں۔ جب اس کا ذکر و فکر ختم ہو جاتا ہے تو کوئی دوسرا شائع کر دیتا ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ ابتک چلتا آرہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ وصیّت نامہ جعلی' فرضی اور خود ساختہ ہے شرعاً اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

ہمزاد کی وضاحت

لوگوں میں بالخصوص عاملوں کی دنیا میں ہمزاد کے متعلق طرح طرح کی باتیں مشہور ہیں' مثلاً ایک یہ مشہور ہے کہ جب آدمی مرجاتا ہے اور دفن کردیا جاتا ہے تو اس کا ہمزاد قبر سے نکل آتا ہے وہ مرتا نہیں ہے اور وہ دوسروں کو ستاتا ہے۔ یہ تصور اور اس طرح کے دوسرے خیالات اور توہمات سب بے اصل اور غیر معتبر ہیں۔

البتہ حدیث سے اتنا ثابت ہے کہ ہر انسان کی پیدائش کے وقت اس کے مقابلہ میں ایک شیطان بھی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے اور وہ انسان کی اس زندگی میں اس کے ساتھ رہتا ہے لیکن انسان کے مرنے کے ساتھ ہی اس کا مرنا کہیں منقول نہیں۔ اور اس کو ہمزاد انسان کے ساتھ ساتھ پیدا ہونے کی بناء پر کہا جاتا ہے۔

(لمعات التنقیح امداد الفتاویٰ بتصرف)

خلاصہ یہ کہ ہر قسم کی بد فالی اور بد شگونی لینا ناجائز اور خلافِ شرع ہے' اچھا یا بُرا ہونا' بیمار یا تندرست ہونا' کامیاب یا ناکام ہونا' بامراد یا نامراد ہونا سب کچھ محض اور محض اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اس کی قدرت سے ہوتا ہے' بغیر اس کے حکم کے کچھ نہیں ہوسکتا اور جب حکم ہوجائے تو کوئی روک نہیں سکتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے اور اسی سے بھلائی اور کامیابی طلب کرنی چاہئے وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

نیک فال

شریعت نے بدفالی اور بدشگونی سے منع فرمایا ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے لیکن نیک فال لینے سے منع نہیں کیا ہے بلکہ نیک فال لینا پسندیدہ ہے اور سنّت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے نیک، فال لیا کرتے تھے خصوصاً آدمیوں کے ناموں سے اور ان کی جگہوں سے۔ اور نیک فال اس طرح لی جاتی ہے کہ مثلاً کوئی بیمار جب بیماری میں یہ خیال کرنے لگے کہ معلوم نہیں کہ مجھے صحت یابی ہوگی یا نہیں' پھر وہ کسی کو کہتا سنے کہ اے تندرست! تو مریض یہ سن کر خوش ہو جائے اور یہ سمجھے کہ اب مجھے شفا ہو جائے گی اور صحت ہو جائے گی' یا کسی شخص کی کوئی شے گم ہو گئی ہو اور وہ اس کی تلاش و جستجو میں لگا ہوا ہو' اسی دوران کسی کو اپنے متعلق کہتا ہوا سنے کہ اے پانے والے! تو یہ شخص خوش ہو جائے اور یہ سمجھے کہ اب گمشدہ چیز مجھے مل جائے گی' یا کوئی شخص راستہ بھول گیا اور وہ راستہ تلاش کر رہا تھا کہ اتنے میں کوئی شخص اس کو کہے کہ اے راستہ پانےوالے! تو یہ شخص یہ گمان کرے کہ اب اس کو راستہ مل جائے گا تو اس کو نیک فال کہتے ہیں۔ (اشعۃ اللمعات)

نیک فال لینا سنّت ہے

حدیث :-

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیک فال لیا
کرتے تھے، بدفالی سے پرہیز کرتے تھے اور اچھا نام
پسند فرماتے تھے۔ (مشکوٰۃ)

حدیث :-

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ
چھوت چھات کچھ ہے نہ بدشگون، مجھے تو نیک فال
پسند ہے جو اچھے (اور پاکیزہ) کلام کے ساتھ ہو۔
(الادب المفرد)

حدیث :-

حضرت حبہ تیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد سے
مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ ہوام (جانوروں) میں کچھ نہیں ہے (یعنی جو
لوگ اس سے فال لیتے ہیں کہ مثلاً بلی راستہ کاٹ گئی
یا اُلّو بول پڑا یا کوّے کی کائیں کائیں سنی تو کہنے لگے
کہ اب یہ ہوگا اور یہ نہ ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب
فضول اور ناقابل توجہ والتفات باتیں ہیں، حضور صلی
اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے) اور سچا
شگون فال ہے اور نظر لگنا برحق ہے۔ (الادب المفرد)

تشریح ✦ ان احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیک فال لیا کرتے تھے اور بدفالی سے مکمل پرہیز کرتے تھے اور دوسروں کو بھی بدفالی اور بدشگونی سے منع فرماتے تھے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نیک فال اس طرح لیتے کہ مثلاً کسی کا اچھا نام سنتے تو اس کو پسند فرماتے' اچھی امید رکھتے اور خوش ہوتے۔ چنانچہ حضرت بُرَیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی عامل (گورنر) کو (کسی شہر کا عامل مقرر کر کے) روانہ کرتے تو اس کا نام دریافت فرماتے' اگر اس کا نام اچھا ہوتا تو آپ خوش ہوتے اور چہرہ انور پر خوشی اور مسرّت ظاہر ہوتی' اور اگر اس کا نام اچھا نہ ہوتا تو آپ اس کو ناپسند فرماتے اور ناپسندیدگی کے آثار چہرہ مبارک سے ظاہر ہو جاتے' (اسی طرح) جب کسی بستی میں داخل ہوتے تو اس کا نام دریافت فرماتے' اگر اس کا نام آپ کو پسند آتا تو آپ خوش ہوتے اور ناپسند ہوتا تو چہرہ انور سے اس کا اندازہ ہو جاتا۔ (ابوداؤد)

اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی ضرورت سے باہر نکلتے اور کسی کو اے کامیاب یا اے صحیح راہ پانے والے! کہتا سنتے تو اظہار مسرّت فرماتے۔ (ترمذی)

اور جب کسی کا بُرا نام سنتے تو اس کو تبدیل فرما کر اس کی جگہ اچھا نام رکھ دیتے۔ اچھا نام رکھنا بھی نیک فال ہے کیونکہ اچھا نام' خوبصورتی کا زیور' کمال کا تتمہ اور ذکر جمیل میں داخل ہے' اور اچھے نام سے مثنی میں

اچھے اور پاکیزہ اخلاق و اعمال کی توقع ہوتی ہے۔

بدفالی کے ناجائز اور نیک فال کے جائز ہونے کی حکمت

علماء کرام رحمہم اللہ نے نیک فال کے جائز ہونے میں یہ نکتہ بیان فرمایا ہے کہ نیک فال میں دراصل بندہ کا حق تعالیٰ سے نیک گمان ہوتا ہے بھلائی کا آرزومند اور اس کے فضل و رحمت کا امیدوار ہوتا ہے، جس کے افضل اور بہتر ہونے میں کچھ شک نہیں، اگرچہ یہ گمان اور آرزو پوری نہ ہو۔ اور بدفالی اور بدشگونی میں حق تعالیٰ سے کوئی امید نہیں ہوتی بلکہ حق تعالیٰ سے نظر ہٹا کر اور بدگمان ہو کر مصیبت آنے کا یقین ہو جاتا ہے۔

ایسے خیال اور تصرف کا غلط اور بُرا ہونا عقل کے بھی مطابق ہے اور شریعت کے بھی، اس لئے شریعت نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔

(اشعۃ اللمعات بتصرف)

نحوست

بدشگونی سے ملتی جُلتی ایک چیز نحوست بھی ہے، زمانہ جاہلیت میں لوگ خاص خاص دن، خاص خاص تاریخ اور خاص خاص جانوروں میں نحوست سمجھتے تھے۔ خاص کر عورت، گھوڑے اور مکان میں نحوست کا زیادہ اعتقاد رکھتے تھے۔ اور آج کل بھی بعض خاص خاص دن، تاریخ اور جگہ میں نحوست سمجھی جاتی ہے۔ خصوصاً جس تاریخ میں یا جس جگہ میں کوئی

حادثہ یا ہلاکت یا خسارہ ہوجائے تو اس تاریخ اور اس جگہ کو بڑا منحوس کہا جاتا ہے، اور اگر کسی خاص جگہ پر متعدد بار کوئی جانی یا مالی نقصان ہوجائے تو اس جگہ کی نحوست پر تو پورا یقین ہوجاتا ہے۔

بہرحال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بدفالی اور بدشگونی کے ساتھ ساتھ نحوست کی بھی نفی اور تردید فرمادی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے واضح ہوا کہ کسی چیز میں کوئی نحوست نہیں ہے۔ بالفرض اگر نحوست ہوتی تو عورت، گھوڑے اور مکان میں ہوتی کیونکہ نحوست قبول کرنے کی ان میں زیادہ صلاحیت ہے، لیکن چونکہ اسلام میں نحوست کا کوئی وجود نہیں ہے اس لئے ان تینوں چیزوں میں بھی کوئی نحوست نہیں ہے جیسا کہ ان کے علاوہ دیگر اشیاء، دن اور تاریخوں میں کوئی نحوست نہیں ہے۔

اور بعض روایتوں سے جو عورت گھوڑے اور مکان میں نحوست کا وجود معلوم ہوتا ہے وہاں اس نحوست سے کراہت اور ناپسندیدگی مراد ہے، حقیقی نحوست مراد نہیں ہے۔ مثلاً عورت کی نحوست سے مراد بانجھ ہونا، بدزبان ہونا، زیادہ مہروالی ہونا اور خاوند کی نظر میں بدصورت اور ناپسندیدہ ہونا وغیرہ۔

گھر کی نحوست سے مراد گھر کا تنگ اور چھوٹا ہونا، اس میں تازہ اور کھلی آب و ہوا اور روشنی کا نہ ہونا اور اس کے پڑوسی کا خراب ہونا وغیرہ وغیرہ۔ اور گھوڑے کی نحوست سے مراد یہ ہے کہ اس پر جہاد نہ کرنا یا غرور و تکبر سے اس پر سواری کرنا یا سواری کرنے سے محروم رہنا اور اس کا قیمتی ہونا یا مالک کی مرضی کے موافق نہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔

یہ باتیں اپنی جگہ درست اور مسلّم ہیں کہ اگر کسی مکان کے باشندے اپنے مکان کی رہائش پسند نہ کرتے ہوں' یا کوئی شوہر اپنی بیوی سے صحبت ناپسند کرتا ہو اور کسی طرح دل نہ ملتا ہو' یا گھوڑا ناپسندیدہ ہو تو ایسی صورت میں مکان چھوڑ دینا' بیوی کو طلاق دے دینا اور گھوڑا بیچ دینا جائز ہے تا آنکہ نحوست کی یہ کھٹک دل سے نکل جائے۔ اور یہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ ایک شخص نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا' یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم پہلے جس گھر میں رہتے بستے تھے وہاں ہماری تعداد زیادہ تھی اور مال بہت زیادہ تھا' پھر ہم دوسری جگہ منتقل ہو گئے جہاں ہماری تعداد اور مال کم ہو گیا تو کیا ہم اس جگہ کو چھوڑ دیں اور کسی دوسری جگہ چلے جائیں؟ جس کے جواب میں ارشاد عالی ہوا کہ اس گھر کو چھوڑ دو اور کسی دوسرے گھر میں منتقل ہو جاؤ تاکہ دل میں جو ناپسندیدگی بس گئی ہے اور غلط وہم ہو گیا ہے وہ دور ہو جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ بذات خود اس جگہ میں کوئی نحوست تھی جو اثر انداز ہوئی اور اس کے اثر سے مال و افراد میں کمی آئی۔ غرضیکہ ان اشیاء کو تبدیل کرنا اور اپنے سے جدا کرنا یا خود جدا ہو جانا ناجائز' ممنوع اور بدشگونی میں داخل نہیں ہے بلکہ جائز ہے۔

(مرقات بتصرف)

ھَامہ کی حقیقت

احادیث بالا میں صَفر کے ساتھ ساتھ ھَامہ کی بھی آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے نفی فرمائی ہے' اس کی حقیقت سے بھی باخبر ہونا چاہیے۔ ھَامَہ کے لفظی معنی "سر" اور "پرندہ" کے آتے ہیں۔ احادیث میں پرندہ والے معنی مراد ہیں' کیونکہ زمانہ جاہلیت کے عرب لوگ ھامہ یعنی پرندے سے بدشگونی اور نحوست مراد لیتے تھے اور اس کے متعلق ان میں طرح طرح کی باتیں پھیلی ہوئی تھیں مثلاً :

ان کا خیال تھا کہ مقتول کے سر سے ایک پرندہ نکلتا ہے جس کا نام ھَامَہ ہے وہ ہمیشہ فریاد کرتا رہتا ہے کہ مجھے پانی پلاؤ' مجھے پانی پلاؤ اور جب مقتول کا بدلہ قاتل سے لے لیا جاتا ہے تو پھر یہ پرندہ بہت دور اُڑ جاتا ہے۔

بعض کا خیال تھا کہ مردہ کی ہڈیاں جب بوسیدہ اور معدوم ہو جاتی ہیں تو وہ ھَامَہ بن کر قبر سے نکل جاتی ہیں اور اِدھر اُدھر گھومتی رہتی ہیں اور اپنے گھر والوں کی خبریں لیتی پھرتی ہیں۔

بعض کا یہ اعتقاد تھا کہ ھَامَہ وہ اُلّو ہے جو کسی کے گھر پر بیٹھ کر آوازیں لگاتا ہے اور انہیں ہلاکت و بربادی اور موت کی خبریں دیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعتقاد کو باطل قرار دیا اور ایسا اعتقاد رکھنے سے منع فرمایا اور واضح فرمایا کہ ھَامَہ کی کوئی حقیقت نہیں

ہے۔ (مرقات واشعۃ اللمعات)

ارواح کی آمدورفت

ہمارے معاشرے میں بھی ھَامَہ سے ملتی جلتی کچھ چیزیں رائج ہیں جو ھَامَہ کی طرح بے حقیقت ہیں مثلاً بعض لوگوں کا اعتقاد ہے کہ تمام ارواح جمعہ یا جمعرات کی رات کو اپنے گھروں پر آتی ہیں اور خیرات کرنے کی درخواست کرتی ہیں اور خیرات نہ کرنے والوں پر بددعا کرتی ہیں۔ اور مرنے کے بعد روزانہ ایک ماہ تک اپنے گھر کا گشت کرتی رہتی ہیں۔ اسی طرح لوگوں کا خصوصاً عورتوں کا خیال ہے کہ شبِ براُت' شبِ معراج' شبِ قدر اور عید وغیرہ میں بھی روحیں اپنے گھروں پر آتی ہیں اس لئے وہ ایصالِ ثواب کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ اعتقاد غلط ہے کسی حدیثِ صحیح سے اس کا ثبوت نہیں ہے۔

اور جن بعض روایات میں ارواح کا آنا منقول ہے' اول تو وہ روایات ضعیف ہیں اور باب عقائد میں ضعیف احادیث معتبر نہیں۔ دوسرے وہ اپنے آنے میں بالکل آزاد اور خود مختار نہیں کہ جب چاہیں اور جہاں چاہیں چلی جائیں بلکہ وہ اذنِ الٰہی کی محتاج ہیں۔ اذنِ خداوندی کے بغیر کہیں آنے جانے کا انہیں کوئی اختیار نہیں۔ اس لئے ہر حال میں ان کے آنے جانے کا اعتقاد رکھنا بالکل غلط اور بے اصل ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ بتصرف)

غول بیابانی

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے صَفر کی تردید کرتے ہوئے غول بیابانی کی تردید بھی فرمائی ہے۔ اور غول بیابانی کیا چیز ہے؟ وہ جنّات اور شیاطین کی ایک خاص قسم ہے جس کے متعلق زمانہ جاہلیت کے عربوں نے مختلف خیالات قائم کرر کھے تھے۔

○ بعض کا یہ خیال تھا کہ غول بیابانی ایک جانور ہے جو جنگل میں لوگوں کے سامنے مختلف شکلوں میں آتا ہے اور راستے بھٹکا دیتا ہے اور انھیں ہلاک کر دیتا ہے۔

○ بعض کا خیال یہ تھا کہ غول بیابانی وہ جادوگر جنّات ہیں جو لوگوں کو فتنہ وفساد میں مبتلا کرتے ہیں اور ان کو راستے سے بھٹکا دیتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لَاغُوْلَ فرما کر عربوں کے ان تمام باطل خیالات اور تصورات کی نفی فرمادی' انہیں بے حقیقت قرار دیا اور انہیں توہم پرستی سے تعبیر کیا اور واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہ یہ کسی کو گمراہ کر سکتے ہیں نہ تکلیف پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہلاک کرسکتے ہیں' ہاں جب باری تعالیٰ کا حکم ہو تو ان سے تکلیف پہنچ سکتی ہے۔

البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غول بیابانی کے وجود کی نفی

نہیں فرمائی ہے بلکہ دیگر احادیث میں ان کے شر سے بچنے کے لئے حق تعالیٰ کی پناہ میں آنے کی ترغیب دی ہے اور ان کے شر سے بچنے کی یہ تدبیر بھی منقول ہے کہ جب غول بیابانی پریشان کریں تو فوراً آذان دینا شروع کر دو تاکہ وہ بھاگ جائیں اور اس طرح ان کے شر کو اپنے آپ سے دور کرو۔

(مرقات بتصرف)

ستاروں کے اثرات

رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صَفر کے ساتھ ساتھ امورِ جاہلیت میں سے ایک اور چیز کی بھی نفی فرمائی ہے، جس کو "اَلنَّوءُ" کہتے ہیں۔ یہ چاند کی ۲۸ منزلوں کا نام ہے جن میں سے ہر منزل کے مکمل ہونے پر صبح صادق کے وقت ایک ستارہ گرتا ہے اور دوسرا ستارہ اس کے مقابلہ میں اسی وقت مشرق میں طلوع ہو جاتا ہے۔

اہلِ عرب کا بارش کے متعلق یہ گمان تھا کہ چاند یا ستاروں کی ایک منزل کے ختم اور دوسری منزل کے آغاز پر بارش ہوتی ہے۔ (مرقات) یعنی اہل عرب بارش کو منزل کی جانب منسوب کرتے اور کہتے تھے کہ فلاں منزل کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی اور ستاروں ہی کو بارش کے سلسلہ میں مؤثر حقیقی مانتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لَاَنوءَ فرما کر اس کی بھی مکمل نفی فرمادی اور اہلِ عرب کے اس گمان کو باطل اور بے بنیاد قرار

دیا، کیونکہ ایسا خیال اور نظریہ انسان کو شرک کی حد تک پہنچا دیتا ہے۔

بارش کا برسانا یا نہ برسانا محض حق تعالیٰ شانہ کی قدرت میں ہے وہ جب چاہتا ہے بارش برساتا ہے اور جب نہیں چاہتا بارش نہیں برساتا۔ بلکہ ستاروں اور سیاروں کی گردش اور ان کا طلوع و غروب، بارش ہونے یا نہ ہونے کا ایک ظاہری سبب تو ہو سکتے ہیں لیکن مؤثر حقیقی ہرگز نہیں ہو سکتے۔ مؤثر حقیقی اور قادرِ مطلق محض اللہ جلّ شانہ کی ذات ہے۔

(ملخص از معارف القرآن)

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ

واصحابہ وبارك وسلم تسلیما کثیرا